مولانا مفتی محمود

میدانِ علم و عمل کا شہسوار

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زمین کا وہ حصہ جو برصغیر کے نام سے معروف ہے، اپنی امتیازی خصوصیات کی بناء پر ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ مصدقہ روایات کے مطابق اسی علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے بھیجا، تاکہ وہ خلافت ارضی کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی ورسول اور انسانیت کے جدامجد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ آسمانی ہدایت کا جو سلسلہ شروع فرمایا، اس کی انتہاء محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوئی، آپ خدا کے آخری نبی اور پوری کائنات کے لئے ہادی ورہنما تھے۔

برصغیر کا بہت بڑا حصہ آپ کے تربیت یافتہ حضرات یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں اسلام کی روشنی سے منور ہوگیا اور ایک معقول حصہ اگلے دور (تابعین کے زمانہ) میں اسلام کے زیر اثر آ گیا، کچھ سرحدی علاقے عرب مسلمان تاجروں کے اخلاق وکردار سے متاثر ہوکر دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے۔ الغرض خیر القرون کے زمانہ میں ہی برصغیر میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور پھر یہ خطہ مسلسل دینی اعتبار سے ترقی کرتا رہا۔

یہاں برسراقتدار آنے والے مختلف حکمرانوں کے دور میں ادھر ادھر سے ان گنت اہل علم ودانش یہاں آ کر بسے اور ان کے سوز دروں سے یہ دھرتی جگمگا اٹھی۔

اسلام کے ابتدائی ہزار سال گزرنے کے بعد تو یہ خطہ دینی وفکری رہنمائی کا مرکز بن گیا، جس کی پہلی کڑی حضرت الامام الشیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی قدس سرہ تھے' آپ نے اصلاح وانقلاب کا جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا' اسے آپ کے عزیز ترین اخلاف نے بڑی خوبی سے پروان چڑھایا۔

ان اخلاف میں آپ کے فرزند عزیز عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ اور حضرت خواجہ السید آدم بنوری

علیہ الرحمۃ بھی تھے۔ اول الذکر سے حضرت غازی اورنگ زیب عالمگیر بھی ارادت وعقیدت رکھتے تھے اور برصغیر اور ملحقہ علاقے ان کے فیوضات سے مستفید ہوئے، جب کہ خواجہ آدم بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن ومستقر بنا کر سرزمین حجاز وعرب کو منور فرمایا اور پھر وہیں آپ کا انتقال ہوا اور بقیع میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی۔ تغمده الله بغفرانه۔

حضرت مولانا السید محمد یوسف بنوری خواجہ آدم علیہ الرحمۃ کے خاندان کے گل سرسبد تھے اور کہنا چاہیے کہ ان کے اندر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مجدد اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے اخلاف وخلفاء کی غیرت دینی وملی بطریق اتم موجود تھی۔

بارہا مرتبہ ان کی حق گوئی، جرأت ایمانی اور ہمت وعزیمت دیکھنے کا موقع ملا، سرکاری یا غیر سرکاری تقریب ہو، وہ کوئی ایسی بات برداشت نہ کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق ﷺ کے منشا کے خلاف ہو، ایوب خان مرحوم کے دور کی علمی مؤتمر جس میں غیر ملکی اہل علم بھی شریک تھے، آپ نے کمال غیرت مندی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں اس وقت کے فاشی وزیر اعظم بھٹو کے سامنے کلمہ حق ادا کرنے کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ میرے نزدیک ان کا ان صفات سے متصف ہونا اس نسبت کے پیش نظر تھا جو انہیں السید آدم بنوری کے واسطہ سے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے تھی۔

حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ کے بعد جو تابناک دور آیا، اس کی ممتاز شخصیت حضرت الحکیم العارف ولی اللہ الدہلوی قدس سرہ تھے جو بوجوہ اپنی مثال آپ تھے۔ حکیم دہلوی نے جہاں ملک میں فرنگی سامراج کے ابتدائی اثرات بد کو محسوس کر کے ان کے دفعیہ واصلاح کی طرف توجہ دلائی اور بیماری کا علاج بتایا، وہاں دینی علوم کی اشاعت وترویج کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا ممتاز کارنامہ کتاب الٰہی کا فارسی ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر ہے، جس کا مقصد برصغیر کے مسلمانوں کو براہ راست قرآن عزیز سے استفادہ کا موقع مہیا کرنا تھا، شاہ صاحب کی کمان سے نکلا ہوا یہ تیر نشانے پر بیٹھا اور مفاد پرست عناصر آپ کے بدترین مخالف ہو گئے۔

اس کے ساتھ آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات وفرامین جو درحقیقت قرآن عزیز کی تشریح ہیں، کی طرف توجہ فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں عام لوگوں کا رجحان علوم آلیہ کی طرف زیادہ تھا اور علوم عالیہ کی طرف کم۔ اور حدیث کے معاملہ میں تو سرد مہری ناقابل بیان حد تک موجود تھی، آپ نے اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مدرسہ رحیمیہ کو علوم قرآن وحدیث کی تدریس کا مرکز بنایا اور قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کے ساتھ ساتھ حدیث پر بھی قلم

اٹھایا۔ آپ نے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بہترین شروح لکھیں اور حدیث کی طرف عوام کو رغبت دلائی۔ آپ کی کوشش وسعی سے برصغیر کا پورا علاقہ حدیثی علوم کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

آج سند حدیث کا ہر سلسلہ کسی نہ کسی واسطہ سے حضرت حکیم دہلوی تک پہنچتا ہے اور یہ حدیث کے معاملہ میں ان کی خدمات کا عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

آپ کے فرزندان گرامی میں سے یوں تو ہر ایک اپنی مثال آپ تھے، لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، کو آپ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے بلند تر مقام نصیب ہوا، انہوں نے آپ کے جہادی مشن اور آپ کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت میں بھر پور دلچسپی لی اور حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ غیر مسلم مؤرخین کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ برصغیر کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں علوم قرآن وحدیث کی خدمت کرنے والا کوئی نہ کوئی موجود نہ ہو اور جو بھی ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ ہے۔

پھر شاہ محمد اسحٰق، شاہ عبدالغنی رحمہما اللہ تعالیٰ اور ان کے بعد مولانا احمد علی سہارنپوری قدس سرہ، نے اس وراثت علمی کو سنبھالا، جنہوں نے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری'' کا فقید المثال حاشیہ لکھا، اس کار خیر میں آپ کے شاگرد عزیز قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شریک تھے، جنہوں نے دوسری خدمت کے علاوہ آخری چند پاروں کا حاشیہ لکھ کر اپنے استاذ کے مشن کی تکمیل کردی۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کے وارث حضرت الشیخ مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کے متعلق یہ بات مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی کہ ''وہ علم کا کٹھلہ ہے'' (روایت حضرت میاں اصغر حسین صاحب) حضرت گنگوہی قدس سرہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق ورفیق تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ وشیخ طریقت! اور وہ بلا شبہ فقیہ النفس اور مجتہد العصر تھے، ان کی شہادت اپنے علمی فرزند کے متعلق بڑی وقیع ہے۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ میں دوسری بات جو معروف ہے، وہ یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آخری دور میں ایسے شاگرد عطا فرمائے جیسے ابتدائی دور میں حضرت الامام ابوحنیفہ قدس سرہ، کو نصیب فرمائے تھے اور پھر یوں تو آپ کا ہر شاگرد ہر اعتبار سے جامعیت کی شان لئے ہوئے تھا، لیکن بعض حضرات نے آپ کی بعض خصوصیات کو اپنے اندر ایسے جذب کیا کہ وہ ان میں دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

مثلاً: امام العصر حضرت مولانا السید محمد انور شاہ کاشمیری قدس سرہ، کے متعلق مشہور ہے اور یہ شہرت محض پروپیگنڈہ کی بناء پر نہیں، بلکہ واقعیت کی بنا پر ہے کہ وہ اپنے استاذ کے، حدیث کے معاملہ میں صحیح جانشین تھے۔

شاہ صاحب جتنے عظیم تھے اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اسارت مالٹا

کے موقع پر ان کی مسند پر آپ کو بٹھلایا گیا اور بٹھلانے والوں میں آپ کے بڑے اور اساتذہ بھی شامل تھے۔ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ ''انورشاہ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے'' بلاوجہ نہیں، حضرت العلامہ مولانا عثمانی مرحوم پچھلے ادوار کی عظیم علمی شخصیات کا حوالہ دے کر فرماتے کہ: اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ تم نے حافظ ابن حجر اور فلاں فلاں بزرگ عالم کو دیکھا تو میں اس لئے ہاں کردوں گا کہ میں نے علامہ کاشمیری کو دیکھا ہے، مولانا احمد سعید دہلوی نے ان کے تعزیتی جلسہ میں انہیں چلتی پھرتی لائبریری کہا۔ خطیب مکرم حضرت السید عطاء اللہ الحسینی البخاری نے یہاں تک فرمادیا کہ صحابہ کا قافلہ چلا جارہا تھا۔ انورشاہ بچھڑ گئے اور علامہ السید رشید رضا مصری نے اختلاف مسلک کے باوجود جو تاثر لیا وہ ''المنار'' میں چھپا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اگر میں دیوبند کو نہ دیکھتا تو غم زدہ واپس جاتا، اور اس کا سبب اس دور میں علامہ کاشمیری کی علمی سیادت تھی۔

الغرض امام العصر کاشمیری عظیم تھے اور ان کی عظمت مسلم تھی، موصوف کے حضور دیوبند اور ڈابھیل میں ہزاروں طالبان علوم نبویہ نے زانوئے تلمذ تہ کیا جن میں سے بعض شخصیات اب بھی بقید حیات ہیں' مثلاً: دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم مولانا قاری محمد طیب' علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے (سابق) سربراہ مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور شارح بخاری مولانا سید احمد رضا بجنوری جب کہ متعدد حضرات دنیا سے رخصت ہوچکے ہیں۔

لیکن آپ کے شاگردوں میں جو عظمت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو نصیب ہوئی' وہ کم ہی لوگوں کے حصہ میں آئی۔ مختصر لفظوں میں آپ علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے وارث تھے' جس کا صحیح اندازہ اہل علم کو ''معارف السنن'' کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے، افسوس کہ علوم ومعارف کا یہ خزینہ نامکمل رہ گیا اور چھ جلدوں کی تکمیل کے بعد ہمارے بزرگ بھائی حیات مستعار کو پورا کرکے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عشق کی حد تک آپ کو جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ''نفحة العنبر'' کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے جو آپ کے قلم سے استاذ محترم کی سیرت کا حسین خاکہ ہے۔

علامہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں فتنہ قادیانیت کے معاملہ میں سخت حساس تھے، خود اس سلسلے میں لکھا، شاگردوں سے لکھوایا' جن میں مولانا بدرعالم، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات تھے۔ مناظرے کئے اور مشہور مقدمہ بہاولپور میں علالت کے باوجود بنیادی کردار ادا کیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احساس کا یہ عالم تھا کہ آپ ہر سال مدرسہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کو اس فتنہ کی طرف توجہ دلاتے، کام کا شوق دلاتے اور فرماتے کہ: اگر نبی کریم کی شفاعت

مطلوب ہے تو حضور علیہ السلام کی امت کو جھوٹی نبوت سے بچاؤ۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے طویل عرصہ تک استاذ محترم کی خدمت کی اور ان کے رنگ میں رنگ گئے، اس سلسلہ میں بھی سعادت مند ثابت ہوئے اور ۱۹۷۴ء میں ان کی متفقہ قیادت میں قادیانیت کا مسئلہ آئینی محور پر حل ہوگیا، تقبل اللہ تعالیٰ مسا عیھم.

مرحوم ہمارے بزرگ دوست تھے، ساتھی تھے، مخلص مشیر تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد جوان دنوں میں سرحد جمعیۃ کے صدر کی حیثیت سے مختصر عرصہ کام کرنے کے علاوہ ایوب خاں کے مارشل لا کے بعد سیاسی جماعتیں بحال ہونے پر جمعیۃ علماء اسلام کی نائب امارت کے عہدہ پر بھی کچھ عرصہ فائز رہے؛ لیکن ان کا اصل میدان علمی تھا اور وہ اس میدان کے شہ سوار تھے، ویسے ان کا دل ہمیشہ ہمارے ساتھ دھڑکتا اور اہم مشوروں میں وہ ہمیشہ کسی نہ کسی طرح شریک ہوتے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اجل کے خاندان سے ہونے اور اس کے بعد سید المجاہدین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے خلیفہ حاجی شفیع الدین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی نسبت نے انہیں عزیمت کے میدان میں لا کھڑا کیا تھا اور وہ کسی بھی موقع پر حالات سے موافقت نہ کر سکے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ان کے مثالی مدرسہ کو بھٹو گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لینے کا منصوبہ بنالیا، اس مصیبت سے چھٹکارے کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ اپنے رفقاء کے خلاف جو ملی وسیاسی میدان میں نبرد آزما تھے۔ اخباری سطح پر بیان دے دیں، لیکن انہوں نے اپنی خودداری وغیرت مندی کے پیش نظر اس پر کسی صورت آمادگی ظاہر نہ کی اور خاموشی کے ساتھ اپنے پیدا کرنے والے کے حضور دعا ومناجات میں مشغول رہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطرہ کو ٹال دیا۔ دور سلف کے اہل حق وصداقت کی امتیازی خصوصیات ان میں بطریق اتم موجود تھیں، بالخصوص اکابر علماء دیو بند جو صدر اول سے چلنے والے طائفہ منصورہ کا دوسرا نام ہے، کے کمالات وخوبیوں کا صحیح مرقع! اور یہ سب کچھ اپنے اساتذہ ومشائخ سے گہرے تعلق کی بناء پر تھا۔

مرحوم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ سے روحانی تعلق قائم کیا اور شیخ سے آپ کی گہری عقیدت وتعلق کا معاملہ دیدنی تھا۔ وہ اس معاشرہ کے مصائب کو حضرت شیخ الاسلام مرحوم کی توہین کا ردعمل قرار دیتے اور اس سلسلہ میں توبہ وانابت کی طرف توجہ دلاتے۔

مرحوم نے متعدد گمراہ کن طبقات کے بعد دور آخر میں سبائیت جدیدہ کے خلاف جو جہاد شروع کیا وہ بھی دراصل اپنے شیخ طریقت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے گہری وابستگی اور لگاؤ کا نتیجہ تھا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی مختصر کوشش اس سلسلے میں خاصی مؤثر ثابت ہوئی۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ مزید مہلت دیتے تو اس سلسلے میں رونما

ہونے والے نتائج حیران کن ہوتے، لیکن مالک تقدیر کی حکمت اسی کی متقاضی تھی۔ بہرحال جتنا کر گئے وہی کافی ہے۔ میرے ساتھ مرحوم کا جو تعلق خاطر تھا وہ یقیناً ایک بزرگ بھائی کے جذبات لئے ہوئے تھا۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ آخری وقت میں جنازہ کی شرکت تو کیا ہوتی ملاقات تک نہ ہوئی اور اس کی وجہ میرا اور ان کا سفر تھا وہ کراچی سے اسلام آباد اور میں اسلام آباد سے کراچی تاکہ مصر جاسکوں، اس ناگہانی حادثہ کا وہم تک نہ تھا لیکن وقت آ گیا تو مہلت کا سوال نہ تھا، ہم لوگ مصر میں تھے، خبر سنی، سکتہ میں آ گئے۔ پیر و جواں سبھی متاثر تھے اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ مرحوم وہاں چلے گئے جہاں سے کوئی لوٹ کر نہ آیا۔ جانا سب نے ہے لیکن بعض جانے والوں کا سلسلہ بعض دوسروں سے مختلف ہوتا ہے اور مولانا موصوف انہی خوش قسمت لوگوں میں تھے جو مدتوں بعد دنیا میں آتے ہیں۔

''پاکستان اسلام اور صرف اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا۔ اسلام ہی پر اس کا وجود موقوف ہے۔ اسلام اور پاکستان کا درمیانی رشتہ اتنا مضبوط، اتنا گہرا اور اتنا شدید ہے کہ ان دونوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے جو لوگ پاکستان میں اسلام کے سوا کسی اور ''ازم'' کو لانے کا خواب دیکھتے ہیں اور بنائے پاکستان کی نفی کر کے نہ صرف اسلام اور ملت سے دغا کرتے ہیں بلکہ خود اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں۔'' (بصائر و عبر۔ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ)

☆ ☆ ☆

''خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول۔''

(بصائر و عبر۔ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ)

☆ ☆ ☆

''اسلام دین قیم ہے اس نے کفر و شرک، بدعت و ضلالت اور کجروی و گمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کر دیا۔ تمام اولاد آدم کو ایک صاف، سیدھا اور نکھرا ہوا ''صراط مستقیم'' عطا کیا۔ جس پر چل کر وہ امن و امان اور راحت و عافیت کی زندگی بسر کر سکے اور مرنے کے بعد قرب و رضا اور جنت و نعیم کا وارث بنے۔'' (بصائر و عبر، شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ)